انسانی زندگی میں قرآن کا کردار

عطاء اللہ علوی[1]

خلاصہ:

تمام تعریفیں اس خالق کائنات کے لیے، جس نے ظلمت وتاریکی، جہالت ولاقانونیت، شرک وبت پرستی کے دور میں دنیا کی سب سے بڑی نعمت، آخری کتاب قرآن مجید اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما کر بنی نوع انسان پر احسان عظیم فرمایا۔ نزول قرآن سے قبل عرب وعجم کے معاشرے میں تاریکی کے بادل چھائے ہوئے تھے، قبائل شرک وبت پرستی کے کینسر سے مبہوت اور حواس باختہ تھے، ملی یکجہتی اور فکری وحدت کا فقدان تھا، تہذیب وثقافت روبہ زوال تھی، اسلامی تعلیمات تحریفات وتاویلات کے غبار سے سے گرد آلود ہو چکی تھیں، جسکی لاٹھی اسکی بھینس کا قانون چلتا تھا، سرداری نظام نے مظلوموں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔

قرآن مجید انسانیت کے لیے کتاب ہدایت ہے مگر یہ عرب کے امی پر نازل ہونے والی کتاب مقدس تھی جس نے قوموں کی تقدیریں بدل ڈالیں۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنے والے ان کے محافظ بن گئے۔ معمولی باتوں پر لڑنے جھگڑنے والے ایثار کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اہل اسلام سے قرآن کریم یہ تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان قرآن کریم سے تمسک کرتے ہوئے اپنی زندگیاں بہتر بنائیں اور عمل بالقرآن سے اہل باطل کے شبہات کا جواب دیں۔

کلیدی الفاظ: قرآن کریم، اسلام، انسانی زندگی، معاشرہ

نزول قرآن سے قبل انسانی زندگی

نزول قرآن سے قبل عرب وعجم کے معاشرے میں تاریکی کے بادل چھائے ہوئے تھے، قبائل شرک وبت پرستی کے کینسر سے مبہوت اور حواس باختہ تھے، ملی یکجہتی اور فکری وحدت

[1] ۔ پی ایچ ڈی سکالر علوم اسلامی (تخصص قرآن و تفسیر) شعبہ قرآن و تفسیر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کا فقدان تھا، تہذیب و ثقافت روبہ زوال تھی، اسلامی تعلیمات تحریفات و تاویلات کے غبار سے سے گرد آلود ہو چکی تھیں ، جسکی لاٹھی اسکی بھینس کا قانون چلتا تھا، سرداری نظام نے مظلوموں کا جینا دو بھر کر رکھا تھا، الغرض اصنام پرستی ، غیر اللہ سے مدد طلب کرنا، دامادی کے عار یا اخراجات برداشت نہ کرنے کے باعث بچیوں کو زندہ در گور کرنا، حقیر سی چیزوں پر سال ہا سال لڑتے رہنا اہل عرب کا شیوہ بن چکا تھا۔

سارا عرب معاشرہ انسانی اطوار و اخلاق، خصائل و آداب، سیرت و کردار، اخلاص و وفاداری، اخوت و محبت، الفت و ہمدردی سے خالی تھا۔ علمی فقدان کا نتیجہ ہی تھا کہ معاشرہ خونخوار درندوں کے جنگل کا سا منظر پیش کر رہا تھا۔ نسلی تفاخر اور عصبیتوں کے غبار آلود فلسفے سے انصاف پسندانہ تعلیمات پردہ خفا میں چھپی جا چکی تھیں۔ معمولی معمولی باتوں پر قبائل میں جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہ وہ حالات تھے جن سے تنگ آکر ہر چھوٹا اور بڑا مرد اور عورت، شاہ و گدا، پیر اور مرشد ایک ایسے طبیب کا متلاشی تھا جو شرک کے مریضوں کو توحید کا جام پلا سکے ، وہ ایک ایسے داعی کا منتظر تھا جو در در پر جھکی ہوئی جبینوں کو ایک رب کے سامنے جھکا سکے ، وہ ایک ایسے قانون کا خواہاں تھا جو انھیں انسانیت کے حدود میں واپس لوٹا سکے ، وہ ایک ایسے عادل کو ترستے تھے جو ظالم کا ہاتھ روکے اور مظلوم کی مدد کر سکے ، وہ ایسے منصف مزاج کے طلب گار تھے جو قرابت کی سند کو ٹھکرا کر عدل و انصاف کا میزان قائم کر سکے ۔ تب خالق کائنات نے اپنی لاریب کتاب قرآن نازل فرما کر انسانیت پر احسان عظیم فرمایا جس سے بکھری ہوئی آدمیت ایک بار پھر اخوت کے لازوال رشتے میں بندھ گئی۔ اللہ تعالیٰ اسی عداوت کے محبت میں بدل جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا [1]

اور یاد کرو اس اللہ تعالیٰ کی نعمت کو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پس اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کی، اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

[1] ۔ العمران: ۱۰۳

جاہلی اعمال نے ہر طرف معاشرے میں انارکی، نفرت اور عداوت پھیلار کھی تھی ، انسان سسک سسک کر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے ،کمزوروں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ چند اہم جرائم جنہوں نے نظام زندگی کو غیر متوازن کرر کھا تھا، درج ذیل تھے۔

ا۔اصنام پرستی

نزول قرآن سے قبل انسانیت خداپرستی چھوڑ کر صنم پرستی میں لگی ہوئی تھی۔ایک خدا کے سامنے جھکنے والی جبینیں در در پر جھک کر اپنا تقدس کھوچکی تھیں۔خانہ خدا بیت اللہ کو ۳۶۰ بتوں سے بھر دیا گیا تھا۔ہر قبیلے کا اپنا خدا ہوتا تھا، جس سے وہ مصیبت کے وقت مدد مانگا کرتے تھے۔اسی بت کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔حاجت کے وقت اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جاتا۔ شیخ احمد خطیبہ جاہلی دور کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

> أما كفار أهل الجاهلية، عباد الأوثان والأصنام، فقد سئلوا من خلقكم؟ فقالوا: الله، وسئل بعضهم: كم تعبد يا فلان؟ فقال: سبعة من الآلهة، واحد في السماء، وستة في الأرض، فقيل: من الذي ترجوه لنفعك وضرك؟ قال: الذي في السماء -[1]
>
> اور دور جاہلیت کے کافر بتوں کے پجاری تھے، پس ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارا پیدا کرنے والا کون ؟تو کہتے اللہ، بعض سے پوچھا جاتا، فلاں تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ تو وہ کہتا: سات خداوں کی۔ایک جو آسمان میں ہے اور چھ جو زمین میں ہیں۔اس سے کہا جاتاوہ تم کس سے نفع اور نقصان کی امید رکھتے ہو؟ تو کہتا: جو آسمان میں ہے اس سے۔

قرآنی کردار

انسانیت کی ہدایت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع اور حضرت محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔لگاتار مبعوث ہونے والے سارے انبیاء کرام کی دعوت کا مشترک پہلو عقیدہ

---

[1] ۔ تفسیر الشیخ احمد حطیبة الشیخ الطبیب احمد حطیبة، جلد ۷، ص ۳۵۷۔

توحید ہی تھا۔ ہر نبی نے امت کو، اللہ تعالیٰ کی ذات کو، صفات اور اعمال میں ایک ماننے، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرانے کی دعوت دی۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[1]

اے لوگو! اس رب كي بندگی کرو جس نے تم اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے ڈرو۔

قرآن مجید کے حکیمانہ انداز نے اہل عرب کو بت پرستی چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور دفعتاً عرب کے لوگ جو بت پرستی میں مصروف تھے، شب زندہ دار بن گئے۔ انھوں نے بت پرستی ترک کرتے ہوئے بتوں کے بخیے ادھیڑ دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے بتوں سے مدد مانگنے والی قوم ایک خدا کے دروازے پر جھک گئی۔

۲۔ بچیوں کو زندہ در گور کرنا

جاہلی دور کی ایک ستم ظریفی یہ بھی تھی کہ والدین افلاس اور بھوک کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ بعض جگہ دامادی کے عار اور خوف سے بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ شیخ احمد خطیبہ اس بد ترین ظلم کے متعلق لکھتے ہیں: كان أهل الجاهلية يقتلون بناتهم خشية الإنفاق عليهن[2] (جاہلی دور کے لوگ اپنی بیٹیوں کو ان پر خرچ کرنے کے ڈر سے قتل کرتے تھے)۔

بعض جاہل والدین اپنی بیٹیوں کو معاشرے کا بے کار اور بے فائدہ عضو قرار دیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ مطلوبہ امور انجام نہیں دے سکتیں جو ایک لڑکا انجام دے سکتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اولاد میں سے بچیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے: شیخ عطیہ لکھتے ہیں:

---

[1]۔ البقرۃ: ۲۱۔

[2]۔ تفسیر الشیخ احمد حطیبۃ، الشیخ الطبیب احمد حطیبۃ، جلد ۶، ص ۱۲۲۔

فكانوا يقتلون البنات، ويقولون: نقتل البنات؛ لأن بنت فلان عملت كذا ولا نريد أن تفعل بناتنا هذا الشيء، وهذا في الظاهر، ولكن الحقيقة في الباطن أنهم كانوا يحتاجون إلى الذكور، كانوا يريدون ذكوراً لأجل أن يشتغلوا ويأتوا بالمال، ولكي تغير القبائل بعضها على بعض، فهم يريدون ذكوراً حتى يغيروا على القبيلة الثانية[1]

وہ بیٹیوں کو قتل کرتے اور کہتے: ہم نے بیٹیوں کو اس لیے قتل کیا کہ فلاں کی بیٹی یہ یہ کام کرتی ہے، ہم نہیں چاہتے کہ ہماری بیٹیاں بھی ایسا ویسا کریں، ان کا سامنے جواب تو یہ ہوتا تھا، البتہ پس پردہ حقیقت یہ ہوتی کہ وہ لڑکوں کے ضرورت مند تھے۔ وہ کام اور مال کمانے میں لڑکوں کے محتاج ہوتے تھے، بعض قبائل بعض پر حملہ آور ہوتے، اسوقت انھیں دوسرے قبیلے پر ہلہ بولنے کے لیے لڑکوں کی ضرورت پڑتی۔

قرآنی کردار

ایسی حالت میں اسلام نے انسانیت کو سب سے پہلا جو حق دیا، وہ زندگی کا حق تھا کہ کوئی کسی کو قتل کر کے زندگی کا چراغ گل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ مِنْ إِمْلاقٍ[2]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلا تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ[3]

[1]۔ تفسیر الشیخ احمد حطیبۃ، الشیخ الطبیب احمد حطیبۃ، جلد ۹، ص ۴۳۲۔

[2]۔ [الأنعام: ۱۵۱]

[3]۔ [الإسراء: ۳۱]

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو، انھیں اور تمھیں رزق ہم دیتے ہیں۔

اسطرح قرآن مجید نے سزائیں وضع کیں تاکہ انسانیت قتل ہونے سے بچ سکے اور یوں مظلوموں کے خون سے ظالموں کے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ سزاؤں کے نفاذ کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ انسانوں کے دلوں میں سزاء کا رعب اور ھیبت ڈال کر انھیں جرم سے باز رکھا جائے۔ یہ صرف اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اس نے امیر اور غریب، شاہ اور گدا، بادشاہ اور رعایا کو برابری کے حقوق دیے ہیں، ورنہ اسلام سے قبل تو طبقاتی نظام رائج تھا۔ سزاء کا حقدار صرف غریب ٹھہرتا تھا۔ طاقتور اور بالادست طبقے پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ ظلم و جبر

جاہلی دور میں اخروی زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔ کسی شخص کے ذہن میں طاقت و قوت اور مال و دولت کے متعلق جوابدہی کا احساس تک نہ تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ طاقتور نے طاقت کا غلط استعمال شروع کیا۔ مالدار نے دولت کے زور پر مقاصد کے حصول کی کوششیں کیں۔ شیخ احمد خطیبہ لکھتے ہیں:

كان أهل الجاهلية عداة ظالمين بغاة، فقد كانوا يفتخرون بأنفسهم أنهم طغاة، هذا منطق أهل الجاهلية[1]

جاہلی دور کے لوگ سرکش، ظالم اور حد سے گزرنے والے تھے، ان کی فطرت یہ تھی کہ وہ اپنے سرکش ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔

قرآنی کردار

جب عرب کے اسی معاشرے میں قرآن کریم جیسی انقلابی کتاب نازل ہوئی تو اس نے عرب کے لوگوں کی کایا پلٹ کرر کھ دی۔ اسلام نے انھیں سمجھایا کہ اگر کوئی دنیا میں ظلم کرکے آئے

---

[1]۔ تفسیر الشیخ احمد حطیبۃ، الشیخ الطبیب احمد حطیبۃ، جلد ۶، ص ۴۲۴

گا،آخرت میں اس سے حساب لیاجائے گااور ظالم کی نیکیاں مظلوم کے اعمال میں ڈال دی جائیں گی۔ شیخ احمد خطیبہ لکھتے ہیں:

فلما جاء الإسلام منع الظلم ، فالمسلم إذا تطاول على خلق الله يأتي به الله يوم القيامة فيأخذ من حسناته ويعطيها لمن ظلم[1]

پس جب اسلام آیاتو ان کو ظلم سے روکا،پس اگرکوئی مسلمان کسی پر ظلم کرے گاتو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس ظالم سے نیکیاں لے کر مظلوم کے سپرد کردیں گے۔

اور یوں اہل جاہلیت لوگوں پر ظلم ڈھاکر اپنے نامہ اعمال کو خراب کرنے کے بجائے بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہوگئے اور ان میں ظلم وجبر، تشدد ووحشت کے بجائے ایثار اور قربانی کے جذبات بیدار ہوئے اوران کی مثالوں سے تاریخ اسلام بلاشبہ بھری پڑی ہے۔

۴۔بدکاری

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں باقی جرائم کی طرح بدکار کا بھی ارتکاب کرتے تھے۔اس جرم پر کسی کو منع بھی نہیں کیاجاتاتھا۔ ڈاکٹر احمد خطیبہ رقمطراز ہیں:

لأن أهل الجاهلية كان عندهم الزنا شيئاً عادياً، فكان الإنسان يذهب ويزني سراً أو علناً، وإن كان الذي يزني علناً يقبح نوعاً ما، فلم يكونوا ينكرون على أحد[2]

جاہلی دور کے لوگوں کے ہاں زناعادی عمل تھا۔پس ایک شخص چھپ کراور علانیہ بدکاری کاارتکاب کرتا۔جو علانیہ بدکاری کامرتکب ہوتا،اس کو کچھ برا سمجھاجاتا لیکن وہ کسی کو بھی منع نہ کرتے۔

نکاح کی طرح فسق وفجور کی علانیہ دعوت دی جاتی تھی۔ شیخ محمد اُحمد اِسماعیل المقدم اپنی مشہور کتاب تفسیر القرآن الکریم میں لکھتے ہیں:

---

[1]۔ ایضاجلد ۶، ص ۴۲۴

[2]۔ایضا، جلد ۲، ص ۲۷۳

وكان أهل الجاهلية إذا خطب الرجل المرأة قال: أنكحيني، فإن أراد الزنا قال: سافحيني، والمسافحة: أن تقيم امرأة مع رجل على الفجور من غير تزويج صحيح[1]

جاہلی دور میں جب مرد عورت کو نکاح کا پیغام دیتا تو کہتا: مجھ سے نکاح کرلو گی۔ اور جب صرف بدکاری کا ارادہ کرتا تو کہتا: سافحینی: مسافحہ عربی میں بغیر نکاح کی جانے والی جنسی تسکین کو کہا جاتا ہے۔

قرآنی کردار

اگر ہم زنا کی روک تھام میں قرآن کریم کا کردار سامنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف طریقوں سے اہل عرب کو اس سے منع کیا: قرآن کریم نے پہلے تو عورتوں کو گھروں سے بلا ضرورت باہر نکلنے سے منع کرکے پہلا پہرہ بیٹھایا ہے تاکہ زنا کا دروازہ بند ہوسکے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الأُولَى[2]

اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنی زیب وزینت ظاہر نہ کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے حکم دیا کہ وہ اہل ایمان کو اس قبیح جرم سے منع کریں اور زنا کو بے حیائی اور برائی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا[3]

اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

بعدازاں شریعت اسلامیہ نے زانی مرد و عورت کے لیے سزائیں مقرر کرکے انھیں اس جرم سے باز رکھنے کا بھی اقدام کیا تاکہ دنیا میں امن باقی رہ سکے اور انسانی عزت اور حرمت بھی محفوظ رہے۔

---

[1]۔ تفسیر القرآن الکریم، محمد احمد إسماعیل المقدم، جلد ۷، ص ۳۲

[2]۔ الاحزاب:

[3]۔ الاسراء: ۳۲

۵۔ وراثت سے محروم رکھنا

اسلام سے قبل عورتوں اور بچوں کو وراثت سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔ بالادست سرپرست یتیموں اور مظلوموں کے مال پر قبضہ کرکے اپنے مال سے ملالیتا تھا۔ علامہ ابن حجر العسقلانیؒ اسی ظالمانہ اور جابرانہ طرز زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم: كان أهل الجاهلية لا يورثون النساء والصبيان، ويأخذ الأكبر وحده المال۔[1]

عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے روایت ہے: کہ زمانہ جاھلیت کے لوگ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں حصہ نہ دیتے تھے، سارا مال بڑا دبوچ لیا کرتا تھا۔

قرآنی کردار

جب اہل عرب کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں اس ظلم سے اجتناب کا حکم دیتے ہوئے وارثوں اور سرپرستوں کو تین احکامات جاری فرمائے۔

۱۔ وہ یتیم بچوں کا مال ان کے سپرد کردیں۔

۲۔ ان کے عمدہ مال کو اپنے ناکارہ مال سے تبدیل نہ کریں۔

۳۔ ان کے مال میراث کو اپنے مال کے ساتھ ملاکر نہ کھائیں ۔ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے:

وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا[2]

اور یتیموں کو ان کا مال حوالے کرو، اور ان کے عمدہ مال کو اپنے ناکارہ مال سے مت بدلو اور ان کے مال کو اپنے مال سے ملاکر مت کھاؤ، یقیناً یہ بڑے گناہ کا کام ہے۔

حدیث میں ہے:

[1]۔ العجاب فی بیان الأسباب، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ)، جلد ۲، ص ۲۸۵، دار ابن الجوزی

[2]۔ النساء [الآیۃ: ۲]

مات عبد الرحمن بن ثابت أخو حسان وترك امرأة يقال لها: أم كجة وترك خمس جواري فجاء الورثة فأخذوا ماله، فشكت أمهم ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت آية الميراث[1]

حضرت حسان کے بھائی عبدالرحمن بن ثابت فوت ہوئے، اور بیوی چھوڑی جس کو ام کجہ کہا جاتا تھا، اور پانچ باندھیاں چھوڑیں۔ پس وارث آئے اور سارا مال لے گئے، ان کی والدہ نے حضرت محمدؐ کے پاس شکایت کی اس پر آیت میراث نازل ہوئی۔

عن أبي مالك: كانت المرأة في الجاهلية إذا مات زوجها جاء وليه فألقى عليها ثوبا فإن كان له ابن صغير أو أخ حبسها حتى تشيب أو تموت فيرثها[2]

ابو مالک سے روایت ہے: جاہلیت کے دور میں جب عورت کا شوہر فوت ہوتا تو اس کا سرپرست آتا، وہ عورت پر کپڑا ڈالتا، اگر اس کا چھوٹا بیٹا یا بھائی ہوتے تو اسے روک لیتے یہاں تک کہ وہ بوڑھی ہو جاتی یا مر جاتی اور یہ وارث بن جاتے۔

۶۔ فکری اصلاح میں قرآن کا کردار

کسی بھی عمل میں فکر اور نظریے کا بڑا دخل ہوتا ہے بلکہ اسلام نے تو نظریاتی اصلاح کو عملی اصلاح سے مقدم رکھتے ہوئے عمل سے پہلے عقیدہ کی درستگی کا حکم دیا ہے اور عمل کی خرابی کے باوجود فکری بنیادوں پر آدمی کے جنتی ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ عرب میں جہالت عروج پر تھی اس وجہ سے ان میں فکری غلطیاں بھی بے شمار تھیں۔ مثلاً ملائکہ کے متعلق غلط نظریات اہل عرب میں مشہور تھے۔ عربوں کی اپنی چاہت کا عالم یہ تھا کہ خود اپنی حقیقی بیٹیوں کو زندہ در گور کرتے ہوئے اپنے لیے بیٹے پسند کرتے تھے لیکن بدنصیب قوم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہہ کر غلط نظریہ قائم کر رکھا تھا۔ شیخ ابراہیم قطان اسی فاسد نظریے کے بارے میں تیسر التفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1]۔ العجاب فی بیان الأسباب، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ)، جلد ۲، ص ۲۸۶۔، دار ابن الجوزی

[2]۔ ایضا جلد ۲، ص ۲۸۴۔

ان أهل الجاهلية يزعمون ان الملائكة بنات الله ،وقد حملهم هذا الاعتقاد على أن يتخذوا تماثيل يسموها أسماء الاناث، كاللات والعزى ومناة، ويرمزون بها الى الملائكة التي زعموا انها بنات الله[1]

جاہلی دور کے لوگوں کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اس فاسد عقیدے نے انھیں اکسایا کہ وہ مورتیاں بنائیں اور انھیں عورتوں کے ناموں سے موسوم کریں، جیسا کہ لات، مناۃ، اوران ناموں سے ملائکہ، جن کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا، کی طرف اشارہ کریں۔

قرآنی کردار

قرآن کریم نے اہل عرب کے اس جھوٹے نظریے کی تردید کرتے ہوئے صاف طور پر واضح کیا ہے کہ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں ۔انھیں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بالبنين واتخذ مِنَ الملائكة إِنَاثاً إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلاً عَظِيماً [2]

کیا تمہارے رب نے تمہارے لیے بیٹے منتخب کیے ہیں اور اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنایا، یقیناً تم بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔

قرآن مجید دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الجن والإنس إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ [3]

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اپنی عبادت کے لیے۔

۷۔ جاہلی شعراء

زمانہ جاہلیت کے شعراء بھی معاشرتی پراگندگی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ان کا کام مخالفین پر کیچڑ اچھالنا اور انھیں ہدف تنقید بنانا ہوتا تھا۔ شیخ احمد خطیبہ انہی کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ تیسیر التفسیر، ابراہیم القطان (المتوفی: ۱۴۰۴ھ)، جلد ۱، ص ۱۴۱۳۔

[2] ۔ الاسراء: ۴۰

[3] ۔ الذاریات: ۵۶

وشعراء أهل الجاهلية كان أحدهم يبتدئ القصيدة بالغزل، ويتكلم في الفخر، ثم يهجو الخصم ويتكلم في الشجاعة، ويأتي بأشياء عجيبة، كالمعلقات التي كانت تعلق في الكعبة، وقد قالها فحول الشعراء مثل عنترة وعمرو بن كلثوم وطرفة بن العبد وامرؤ القيس، وقد كتبت بماء الذهب، وعلقت على الكعبة[1]

زمانہ جاہلیت کے شعراء قصیدے کی ابتداء غزل سے کرتے، فخریہ اشعار کہتے پھر مخالف کی برائی بیان کرتے اور شجاعت کا تذکرہ کرتے اور عجیب عجیب باتوں کا ذکر کرتے، وہ قصائد جو ان نامور شعراء جیسے عنترۃ، عمروبن کلثوم، طرفہ، امراوالقیس وغیرہ نے لکھے، سونے کے پانی سے لکھے گئے اور کعبہ میں لٹکائے تھے۔

عرب کے شعراء اور عامۃ الناس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ انھیں مرنے کے بعد بھی یاد رکھا جائے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ مرنے کے موقع پر بھاری رقوم اپنی موت پر نوحہ کرنے والوں کے لیے وقف کرکے جایا کرتے تھے اور اسی طرح کا حال اہل عرب کا تھا۔ شیخ احمد خطیبہ لکھتے ہیں:

وعادة أهل الجاهلية حب الذكر في الحياة وبعد الموت، ولذلك كانوا يحبون الشعراء، ويقربونهم؛ لأنهم بزعمهم سيخلدون أسماءهم بعد وفاتهم؛ لذلك كانوا يغدون على الشعراء، فإذا قال الشاعر أبياتاً من الشعر يمدحه فيها أعطاه مالاً كثيراً على هذا الذي يقول، لأنه سيبقى خالداً بعدما يموت بهذه الأشعار[2]

اہل جاہلیت مرنے کے بعد بھی اپنے تذکرے کو بہت پسند کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ شعراء کو پسند کرتے تھے اور ان کو قریب رکھتے تھے، کیونکہ وہ جہلاء کے نظریے کے مطابق شعراء مرنے کے بعد بھی ہمیشہ لوگوں میں یاد رکھے جائیں گے، اسی وجہ سے وہ شعراء پر صبح پیش ہوتے، جب شاعر ان کی تعریف کرتے ہوئے شعر کہتا، تو

[1] ۔ تفسیر الشیخ احمد حطیبۃ، الشیخ الطبیب احمد حطیبۃ، جلد ۷، ص ۱۴۳
[2] ۔ تفسیر الشیخ احمد حطیبۃ، الشیخ الطبیب احمد حطیبۃ، جلد ۳، ص ۴۵۹۔

اسے بہت سارا مال دیتے کیونکہ وہ ان اشعار کے ذریعے ہمیشہ کے لیے امر ہو جانا سمجھتے تھے۔

قرآنی کردار

قرآن کریم نے شعر کو پسند نہیں کیا اسی لیے اپنے نبی کے بارے میں صاف صاف کہہ دیا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ[1]

ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے، نہ یہ آپ کے شایان شان ہیں، یہ تو نصیحت اور کھلا ہوا قرآن ہے۔

۸۔آباواجداد کی تعریفیں

ان اهل الجاهلية اذا فرغوا من الحج ذهبوا الى أسواق تقام في أماكن مختلفة، وشغلوا أنفسهم بالتفاخر بذكر الآباء ومآثرهم. هناك كانوا يتناشدون الاشعار والخطب[2]

جاہلی دور کے لوگ جب حج سے فارغ ہوتے تو بازاروں کیطرف نکل جاتے، مختلف مقامات میں ٹھہرتے اور آباواجداد کے تذکرے میں مشغول ہو جاتے، اشعار پڑھتے، تقریریں کرتے اور شراب پیتے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا[3]

پس جب تم حج کے ارکان ادا کر چکو، تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو، جس طرح آباواجداد کا کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔

قرآن کردار

قرآن مجید انسانیت کے لیے کتاب ہدایت ہے۔اسے اس دور میں نازل کیا گیا جب یونانیوں کا طب اور فلسفہ، ہندوستانیوں کا علم ریاضی، مصریوں کی کہانت، اور کلدانی ہیئت اپنی

---

[1] یٰسین: ۶۹

[2] تیسیر التفسیر، إبراهيم القطان (المتوفی: ۱۴۰۴ھ) جلد ۱، ص ۱۱۱۔

[3] : سورہ بقرہ، آیت ۲۰۰

قدر وقیمت کھوچکی تھی، ہاں یہ وہی دور تھا جس میں کمزور طبقوں پر طرح طرح کی قیودات عائد کرکے انھیں علم سے دور رکھا جاتا تھا یہ وہی دور تھا جس کا ہر وڈیرا یہ سمجھتا تھا کہ ماتحت طبقے کے لوگوں کو علم کی دولت سے بہرہ ور کرنا اپنی طاقت کو انکی طرف منتقل کرنا ہے اس لیے وہ ان کے کانوں میں ایک علمی لفظ کے پڑ جانے پر سیسہ پگھلا کر ڈالا کرتے تھے۔ ہاں یہ اسی دور کی ایک کڑی ہے جس کے تحت برہمن شودروں کو اپنی غلامی کیلیے پیدا کیے گیے ایک حیوان سے زیادہ کا درجہ نہ دیتے تھے اور نہ اب دیتے ہیں۔ ہاں یہ وہی دور تھا جس میں مخصوص طبقے کے علاوہ کسی کو علم کا اہل نہ سمجھا جاتا تھا اور علم کا شوق رکھنے والوں کی گردنیں ماردی جاتی تھیں۔ کوبرنیکس اور گلیلو جیسے نابغہ روزگار فضلاء انہیں پوپوں کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے۔ ہائی پیشیا جیسی اعلی صلاحیتوں کی مالک خاتون کو اسکندریہ کے روڈوں پر خاک وخون میں تڑپادیا گیا تھا۔ مگر کتاب ہدایت نے قوموں کی تقادیر بدل ڈالیں۔

قرآن نے درج ذیل پانچ اقدامات سے معاشرے پر گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے :

۱۔ علم

علم انسانی ہدایت کا ذریعہ ہے جس کے حصول کا پہلا حکم ہی پہلی وحی میں دیا گیا۔ اسی وجہ سے علم کو اہل ایمان کا ورثہ کہا جاتا ہے اور اسی علم کے حصول کے لیے حضور ﷺ کے دور میں صحابہ کرام مختلف طریقوں یہودی علماء سے سابقہ کتب اور لغات کا علم بھی حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا حکم حصول علم کا اسی لیے دیا کہ اگر ان میں علم آگیا تو یہ شرک، بت پرستی، تفرقہ بازی، ظلم وجبر، تشدد، ناانصافی، حرام خوری، رشوت اور بدکاری چھوڑدیں گے۔

۲۔ متبادل کا تصور

دنیا کا اصول ہے کہ جس چیز سے انسان کو روکا جائے، وہ اس سے اسوقت تک نہیں رکتا، جب تک کہ اس کو متبادل راستہ نہ فراہم کردیا جائے۔ قرآن مجید نے انسان کو اس کی صلاحیت کے صحیح مصرف سے آگاہ کیا اور جب بھی کسی چیز سے روکا ہے تو اس کا متبادل ضرور بتلایا ۔ مثلاً شرک سے روکا تو توحید کا درس دیا۔ کذب بیانی سے روکا تو سچ کا درس دیا۔ ظلم سے روکا تو عدل وانصاف کا درس دیا۔ جھگڑوں اور فسادات سے روکا تو حسن سلوک اور صلہ رحمی کا درس دیا۔ بچوں کو قتل کرنے سے منع

کیا تو ان کی تربیت کو جنت میں داخلے کا موجب قرار دیا۔ بت پرستی سے روکا، تو خدا پرستی پر لگا دیا۔ قرآن کریم کی اس کردار سازی کے باعث بچیوں کو زندہ در گور کرنے والے ان کے محافظ بن گئے۔ معمولی باتوں پر لڑنے جھگڑنے والے ایثار کا مظاہرہ کرنے لگے۔ حقوق غصب کرنے والے حقوق کے علمبر دار بن گئے۔

۳۔ قرآن کا بطور دین متعارف ہونا

اگر ہم اسلام سے قبل سابقہ ادیان کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ سابقہ انبیاءؑ کی دعوت محدود علاقے، محدود وقت اور محدود پہلوؤں پر مشتمل ہوتی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ کو آفاقی دین دے کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی تعلیم زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ قرآن کریم آپ کی نبوت کی ہمہ گیریت اور جامعیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ[۱]

ہم نے آپ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی نبوت و رسالت سے قبل اسلام بطور دین لوگوں میں متعارف نہ تھا۔ دنیا پر عمل کرنے کو موجب ثواب اور نہ کرنے کو موجب عقاب نہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے سب سے پہلے انسانیت کو دستور العمل دیا کہ اگر تم نے زندگی گزارنی ہے تو صراط مستقیم کے مطابق گزارنے پر جنت کے حقدار ٹھہرو گے اور راہ سے بھٹک جانے کی صورت میں مجرم قرار پاؤ گے۔

۴۔ انسانی تقدس کو بحال کرنا

قرآن سے قبل انسانی عظمت روبہ زوال تھی۔ معمولی باتوں پر لڑ جھگڑ کر قتل کر دینا معمولی سی بات سمجھا جاتا تھا۔ جزاء اور سزاء کا تصور ناپید تھا، کیونکہ معاشرے کے کمزور افراد سے جرم صادر ہو جاتا تو انھیں سزاء ملتی اور اگر طاقت ور اور بالا دست طبقات سے جرم کا صدور ہوتا تو انھیں سزاء سے بری قرار دیا جاتا۔ الغرض سزاؤں کے عدم نفاذ کے باعث معاشرہ حیوانوں کا جنگل بن چکا تھا۔ معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے مظلوم طبقہ ایسے قانون کا متلاشی تھا جو ظالم کا ہاتھ ظلم سے روک کر داد رسی کرے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر حکم نازل فرمایا:

---

[۱]۔ الانبیاء: ۱۰۷

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[1]

۵۔ جوابدہی کا احساس بیدار کرنا

قرآن نے بنی نوع انسانوں کی کردار سازی اور اعمال کی بہتری کے لیے آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی اجاگر کیا ہے تاکہ معاشرے کا ہر ہر فرد آخرت کے عذاب کے خوف سے اپنے اعمال کو بہتر بنائے۔ اسلام نے ایک انسان کو باور کرایا ہے کہ:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى[2]

اسی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں تم نے لوٹ کر جانا ہے اور اسی سے ہم تمھیں دوسری مرتبہ نکالیں گے۔

آخرت میں اعمال کے وزن اور ترازو کے لگائے جانے کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ[3]

لیکن بدقسمتی سے اس زمانہ میں اسی کتاب کو قابل اعتراض قرار دیکر اہل کفر کی طرف سے آگ لگائی جاتی ہے۔ یورپ کے ایک غلیظ پادری ٹیری جونز کی طرف سے قرآن کریم کے جلائے جانے کے واقعہ امت مسلمہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ظالم اور انتہاء پسند پادری نے ٹیری جونز نے اعلان کیا ۲۰ مارچ ۲۰۱۱ء کو قرآن پر دہشت گردی کا مقدمہ قائم ہوگا، قرآن کو جلانے، فائرنگ سکواڈ سے اڑانے اور پھاڑنے کا فیصلہ ہوگا بعدازاں قرآن مجید کو جلاء کرا اپنے خبث باطن اور مسلمانوں سے نفرت کا کھلا ثبوت پیش کردیا گیا۔ پھر جلائے جانے پر دلیل یہ دی ہے کہ اسے قرآن پر اعتراضات ہیں۔ آیئے تاریخ کے آئینے میں ہم اپنے قارئین کو یہ بتاتے چلیں کہ قرآن جب نازل نہیں ہوا تھا یا

[1]۔ المائدۃ: ۴۵

[2]۔ سورۃ طہٰ: ۵۵

[3]۔ الانبیاء: ۴۷

قرآن مجید کی روشنی یورپ کے گندے معاشرے اور بدبودار تہذیب تک نہ پہنچی تھی تو اسوقت اس کی حالت کیا تھی اور کیا واقعی قرآن کریم انکے لیے راہ نجات اور نور ہدایت نہ تھا۔

آج کا مسلمان مغربی سائنسی تحقیقات، مغربی آسودہ حالی اور رنگینی، نت انوکھی فلسفیانہ تحقیقات، اعلی طبّی مہارت سے متاثر ہو کر شاید یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ یورپ میں ہمیشہ یہی حالت رہی ہو گی اور اسلامی ممالک ہر دور میں اسی طرح اخلاقی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، اقتصادی اصولوں سے خالی رہے ہوں گے۔ نہیں؟ نہیں؟ پہلے تو یورپ ظلم و بربریت، جبر و تشدد، ستم گری اور چیرادستی کا مرکز تھا۔ اس کے باسی جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں قرآن کریم سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے اہل یورپ نے اپنی زندگیوں میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ ایسے حالات میں اہل اسلام سے قرآن کریم یہ تقاضہ کرتا ہے کہ مسلمان قرآن کریم سے تمسک کرتے ہوئے اپنی زندگیاں بہتر بنائیں اور عمل بالقرآن سے اہل باطل کے شبہات کا جواب دیں۔

کردار کی تبدیلی

قرآن جس معاشرے میں آیا وہ ظلم و جبر اور تشدد و ہٹ دھرمی پر مبنی تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو اہل عرب کی عادات و اطوار تبدیل ہو گئی تھیں، جب اسلام کی پہلی کھیپ معرض وجود میں آئی تو ان سے بتقاضہ بشریت غلطی ہوئی تو انھوں نے اپنے آپ کو فوری طور پر سزا کے لیے پیش کر کے ثابت کیا کہ پہلے سے بدل چکے ہیں۔ ان کی زندگیوں پر قرآن کے گہرے اور انمٹ نقوش موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جب جرم کا ارتکاب ہوا تو وہ آخرت کے عذاب کے ڈر سے فوراً گھبرا کر بارگاہ نبوت میں پہنچ کر سزاء برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيِّ: «أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمْ، أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثَهُ أَنَّهُ قَدْ زَنَى، فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ

شَهَادَاتٍ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَ، وَكَانَ قَدْ أُحْصِنَ»[1]

حضرت جابر سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور گویا ہوا کہ مجھ سے بدکاری ہوئی ہے، اس نے اپنے خلاف چار شہادتیں دیں، آپ نے حکم دیا اور اس کو رجم کیا گیا اور وہ شادی شدہ تھا۔

فکری تربیت کی تصدیق

قرآن نے اصحاب رسول کی خوب فکری اصلاح کی اور آپ ﷺ نے ان کی فکری اصلاح کی مکمل تصدیق بھی فرمائی ہے۔ صحیح مسلم میں مفصل روایت موجود ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس لوگ اسی طرح تشریف لائے اور حضرت ماعز کے متعلق بعض لوگوں نے کچھ نامناسب الفاظ کا استعمال کیا۔ تب زبان نبوت نے فرمایا:

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ[2]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی اگر امت میں تقسیم کر دی جائے تو ان کی جانب سے کفایت کر جائے۔

نتائج

۱۔ انسانی زندگی پر گہرے اور انمٹ نقوش جو قرآن نے چھوڑے، اس سے انسانیت کو اصل مقام ملا۔

۲۔ قرآن سے تمسک کے نتیجہ میں ہی ایک شخص زندگی کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کے بغیر زندگی کے ایام گزارنا محض حیوانیت ہے

---

[1]۔ الجامع المسند الصحیح المختصر من إمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وإیامہ، حمد بن إسماعیل بخاری، جلد ۸، ص ۱۶۵۔ دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۲۲ھ۔

[2]۔ المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری (المتوفی: ۲۶۱ھ)، دار إحیاء التراث العربی - بیروت

۳۔ قرآن مجید سے جن لوگوں کا مربوط قسم کا رشتہ ہو، وہ اوج ثریا تک پہنچے اور قرآن چھوڑنے والے ہمیشہ ذلت اور رسوائی سے دوچار ہوئے اگرچہ انھوں نے ظاہری ترقی کی منازل طے کرلی ہوں۔

۴۔ احساس جوابدہی اور انسانیت کی خدمت کے جو جذبات قرآنی تعلیم نے انسان میں بیدار کیے، قرآن کے علاوہ کوئی کتاب ان نظریات کو آدمی میں پیدا نہیں کرسکتی۔

فہرست منابع

۱. قرآن کریم
۲. تفسیر الشیخ إحمد حطیبة الشیخ الطبیب إحمد حطیبة
۳. تفسیر القرآن الکریم، محمد إحمد إسماعیل المقدم
۴. العجاب فی بیان الأسباب، إبو الفضل إحمد بن علی بن محمد بن إحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ-)، دار ابن الجوزی
۵. تیسیر التفسیر، إبراھیم القطان (المتوفی: ۱۴۰۴ھ-)
۶. الجامع المسند الصحیح المختصر من إمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وإیامہ، محمد بن إسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۲۲ھ-
۷. المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری (المتوفی: ۲۶۱ھ-)، دار إحیاء التراث العربي - بیروت